سنسکرت کا فارسی ترجمہ

از

(جناب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی)

یہ مقالہ اورینٹل کانفرنس احمد آباد میں پڑھا گیا

سنسکرت عربی ہی کی طرح بڑی وسیع زبان ہے۔ اس کی گرامر بھی عربی ہی کی مثل ذرا پیچیدہ ہے، پھر بھی اس مفید زبان کے سیکھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں غیر ملکیوں نے کبھی دریغ نہیں کیا، سب سے پہلے ایران کے مشہور بادشاہ نوشیرواں کے عہد میں حکیم برزویہ نے ہندوستان آکر سنسکرت سیکھی۔ اور یہاں کی مشہور کتاب پنچ تنتر (کلیلہ دمنہ) کا ترجمہ فارسی پہلوی میں کیا۔ جس کو نصر بن نوح سامانی کے عہد میں رودکی نے نظم کا جامہ پہنایا[1]۔ پھر بہرام شاہ غزنوی کے عہد میں ابو المعالی (سنہ ۱۱۴۰ء) نصر اللہ مستوفی نے عربی سے فارسی میں کیا۔ اس کے بعد مولانا حسین کاشفی نے امیر نجم سہیلی کے حکم سے اس کو آسان فارسی میں کیا اور انوار سہیلی نام رکھا۔ اور ابو الفضل نے آسان تر کر کے عیار دانش کے نام سے موسوم کیا۔ پھر شترنج کی کتاب کا ترجمہ ہوا جس کو چترنگ کہتے تھے۔

اسلامی عہد میں ہندوستان میں سب سے پہلے جب کالنجر کا راجہ سلطان محمود غزنوی کے خوف سے قلعہ بند ہو گیا ہے، اور کچھ دنوں کے بعد اطاعت پر مجبور ہوا، تو اس نے ایک قصیدہ سنسکرت میں سلطان محمود غزنوی کی شان میں لکھ کر پیش کیا، جس کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا، اور جب محمود نے اس کو سنا، تو بہت خوش ہوا اور متعدد قلعے اس کو انعام میں دیئے[2]۔

البیرونی بھی اسی عہد کا عالم ہے، جس نے ملتان میں ۱۶ برس مقیم رہ کر (جو اس عہد میں علم کا مرکز تھا) سنسکرت کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ اس نے سنسکرت سے زیادہ تر عربی میں ترجمہ کیا ہے، جیسے کتاب الہند،

[1] مآثر رحیمی جلد سوم کلکتہ۔ [2] فرشتہ جلد اول ص ۲۹ و طبقات اکبری ص ۱۵ جلد اول کلکتہ،

غرۃ الازیاج وغیرہ، اس کی بعض کتابیں فارسی میں بھی ہیں۔

ہندوستان میں غلاموں کا عہد فقط فتوحات کا زمانہ ہے، ان کے عہد میں علمی کاموں کو کمتر فروغ ہوا۔ لیکن خلجی عہد سے اس طرف کافی توجہ کی گئی، چنانچہ علاؤالدین شاہ محمد خلجی متوفی سنہ ۷۱۶ھ کے عہد میں ایک صوفی نے جو آسام میں تھے، امرکنڈ کا ترجمہ فارسی میں کیا جس کا نام بحرالحیات رکھا۔ اس کا اصل مصنف کامابنڈرت ہے، جو سنسکرت کا ایک بڑا عالم تھا۔ پھر سلیس فارسی میں بھروچ کے دوستوں کے اصرار سے حسین گوالیاری بن محمد ساری چشتی نے کیا، جواب طبع ہو گئی ہے[1]

سنہ ۷۶۲ھ میں جب فیروز شاہ تغلق نگرکوٹ (کانگڑہ) فتح کرنے گیا تھا تو جوالا مکھی کے مندر کی کتابیں بھی اس کے ہاتھ آئیں۔ جن کی تعداد (۱۳۰۰) تھیں، سلطان نے برہمنوں سے اس کا حال دریافت کیا اور پھر تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد سلطان نے مختلف فنوں کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔

اُسی عہد کے مشہور شاعر اعزالدین کو عقلی علوم سے بڑی دلچسپی تھی، اس نے حکمت طبعی، شگون اور فال کی کتابوں کا ترجمہ فارسی (نظم) میں کیا اور اس کا نام دلائل فیروز شاہی رکھا[2]۔ یہ کتابیں اکبر کے عہد تک موجود تھیں، چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس[3] پر تنقید بھی کی ہے۔ سیر المتاخرین میں ہے کہ دلائل فیروزی کے ترجمہ پر سلطان نے خوش ہو کر مترجم کو سونا اور چاندی کے علاوہ جاگیر بھی عنایت کی۔

آٹھویں صدی کے آخر سے لے کر نویں صدی کے ابتدا تک مرکزی حکومت (دہلی) کے کم زور ہو جانے پر ہندوستان کے تقریباً سب صوبے خود مختار ہو گئے اور کم و بیش تقریباً دو سو برس تک ان کی سلطنت رہی۔ سیاسی اعتبار سے اس طرح متفرق ہو جانا ملک کے لئے اگرچہ نامبارک تھا لیکن علمی اور صنعتی اعتبار سے بہت مفید ثابت ہوا۔ ہر صوبہ میں کوئی نہ کوئی نکل آیا جس نے علم کو اپنے ملک میں کافی ترقی دی۔

---

[1] یہ کتاب کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد میں قلمی موجود ہے۔ [2] فرشتہ جلد دوم ص۵۲ حیدرآباد
[3] منتخب التواریخ جلد اول ص۲۳۹۔

کشمیر میں زین العابدین (۸۲۶ھ) میں ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ یہ بڑا منصف علم کا قدرداں اور فیاض بادشاہ تھا۔ یہ خود بھی کئی زبانیں جانتا تھا۔ اس کا دربار عالموں اور پنڈتوں سے بھرا رہتا تھا اور اس کی قدردانی سے علم کی ترقی میں لوگ کوشاں رہتے۔

مشہور کتاب راج ترنگنی مصنفہ پنڈت رگوناتھ اسی عہد کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کو مولانا عماد الدین نے فارسی کا جامہ پہنایا۔ پھر مہابھارت کا ترجمہ فارسی میں پہلی دفعہ اسی کے زمانہ ۸۶۲ھ میں ہوا۔ اس کے علاوہ اور بے شمار کتابیں تصنیف کی گئیں [1]

گجرات بھی کشمیر سے پیچھے نہ رہا۔ یوں تو تصنیفات کا سلسلہ سلطان احمد شاہ متوفی ۸۴۶ھ اول کے عہد سے شروع ہو گیا تھا۔ لیکن سلطان محمود اعظم (عرف بیگڑو) کا عہد بڑا ممتاز رہا۔ اس کا دربار ہر فن کے علما کا مخزن تھا۔ اس نے ایک محکمہ تراجم کا قائم کیا تھا۔ جس میں ماہر لوگ کام کرتے اور منتخب کتابوں کا ترجمہ فارسی زبان میں کرتے۔ چنانچہ تاریخ ابن خلکان کا فارسی ترجمہ اسی عہد میں ہوا۔

واگھ بھٹ ایک مشہور طبیب (وید) تھا، اس نے سنسکرت میں ایک طب کی کتاب لکھی ہے، جس کا نام "اسٹ انگ ردی" ہے۔ یہ بڑی مقبول کتاب ہے، اور علم طب میں بڑی مستند سمجھی جاتی ہے، علی محمد بن اسمٰعیل اساولی اصیلی، بڑے جید عالم تھے اور طب سے کامل واقفیت رکھتے تھے۔

۸۷۸ھ میں جب سلطان محمود (بیگڑو)، دوارکا (جگت) فتح کر کے واپس آیا تو قیام مصطفےٰ آباد (جوناگڑھ) میں ایک دن سلطان نے ان سے فرمائش کی، کہ واگھ بھٹ کی کتاب کا فارسی میں ترجمہ کر ڈالو، چنانچہ کئی پنڈتوں کی مدد سے اس کا مکمل ترجمہ ہو گیا، جو آج بھی موجود ہے، اس کتاب کا نام شفاء محمودی رکھا۔ طب محمود شاہی بھی اس کو کہتے ہیں۔

اس کتاب کو چھ استھان (مقامات) پر تقسیم کیا ہے۔ اور ہر استھان میں متعدد ادھیا (باب) دیا ہے، جن کی مجموعی تعداد ایک سو بتیس ۱۲۰ ہے، یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے۔

زیر تبصرہ نسخہ میں دو مقام تو مکمل ہیں اور تیسرے مقام میں ۱۶ باب ہیں۔ ان میں سے

---

[1] طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۴۴ کلکتہ۔ [2] واگھ بھٹ قلمی کتاب خانہ ورنکولر سوسائٹی احمد آباد۔

صرف تیرہ باب اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس کا لکھنے والا محمد عزت اللہ ہے، پہلا مقام ۶ شعبان ۱۰۹۲ھ میں، اور دوسرا مقام ۱۱ رمضان ۱۰۹۸ھ میں ختم کیا۔ تیسرے مقام کے تیرھویں باب کو نامکمل چھوڑا ہے، یعنی آخری صفحہ خالی ہے، اس کتاب کا مکمل نسخہ بھروچ سے حیدرآباد پہنچ گیا ہے[۱]۔

بیجاپور کو عادل شاہی حکومت میں بھی علوم وفنون کی ترقی کسی سے کم نہ تھی، چنانچہ ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں ایک کتاب تصنیف کی گئی، جس کا اصلی نام تو دستور الاطبا ہے، مگر عام طور پر لوگ اس کو طب فرشتہ کہتے ہیں۔ اس کا مصنف محمد قاسم بن ہندو شاہ فرشتہ ہے۔ اس کی مشہور کتاب گلزار ابراہیمی ہے جو عام طور پر تاریخ فرشتہ کے نام سے مشہور ہے۔

مصنف نے اس میں سنسکرت زبان کی متعدد کتابوں سے مضامین انتخاب کر کے ترتیب دیا ہے، جیسے واگھ بھٹ، اشٹ رت وغیرہ، غرض ہندوستانی طب (وید) کو سنسکرت سے فارسی زبان میں اس نے پہلی دفعہ منتقل کیا۔ اس کی ترتیب بالکل ہندوستانی طب کے موافق ہے، اکثر دواؤں کا نام پہلے ہندوستانی میں لکھتا ہے پھر اس کا ترجمہ فارسی میں دیتا ہے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ، تین مقالہ اور ایک خاتمہ پر منقسم ہے۔ مقدمہ ارکان بدن اور اخلاط کے بیان میں ہے۔ پہلے مقالہ میں دواؤں کے خواص اور غذائے مفرد کا بیان ہے، دوسرے میں مشہور مرکبات کا ذکر ہے اور تیسرے میں معالجات کا حال تحریر کیا ہے اور خاتمہ میں "منزہ" کی شرح اور ربع ممالک سکون کی تقسیم میں ہے۔ اس میں کہیں کہیں نظام شاہ اور کسی جگہ عادل شاہ کے درباری حکیموں کا مجرب نسخہ بھی درج ہے، اس میں کسی جگہ یونانی اور عربی حکما کا نام نہیں آتا۔ بلکہ ان کی جگہ ہمیشہ وہ سنسکرت داں وید کی مستند کتابوں کا حوالہ لاتا ہے۔

وہ ابتدا میں لکھتا ہے کہ ہندوستانی طب کے اصول کو مضبوط پایہ پر دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ اس کو فارسی میں منتقل کر دوں، تاکہ ایران، توران اور عرب کے حکما اس سے فائدہ اٹھائیں ۹۹۷ء میں مصنف احمد نگر سے بیجاپور گیا[۲] یہاں ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں ملازم ہو گیا۔

---

[۱] طب فرشتہ قلمی کتب خانہ ودیا سبھا احمد آباد [۲] واگھ بھٹ قلمی کتب خانہ ورنیکولر سوسائٹی احمد آباد

مصنف نے یہ کتاب اسی جگہ لکھی ہے، کیونکہ ابراہیم عادل شاہ کے درباری حکیم اور وید دونوں کے معالجات کے حکایات تحریر کرتا ہے، اغلب یہی ہے کہ تاریخ فرشتہ سے پہلے یہ کتاب لکھی گئی۔ میرا خیال ہے کہ سنہ ۹۹۸ھ اور سنہ ۱۰۰۰ھ کے درمیان اس نے تصنیف کی۔ اس کے بعد تاریخ فرشتہ سنہ ۱۰۱۵ھ میں مکمل ہوئی۔ عرصہ دراز ہوا کہ اسی کتاب کے امرتسر کے ایک حکیم صاحب نے تھوڑے سے نسخے طبع کرائے تھے۔ وہ بھی نایاب ہیں۔ اس کا ایک نسخہ ہماری سوسائٹی میں اور دوسرا مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے کتب خانہ میں قلمی موجود ہے۔[1]

سکندر لودی شاہ دہلی کے زمانہ میں ایک بڑے عالم اور طبیب میاں بہوہ تھے، انہوں نے طب میں ایک کتاب معدن الشفا نامی لکھی۔ جو طب سکندری کے نام سے مشہور ہوئی۔ سکندر ان کا بڑا قدردان تھا۔ دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ یونانی دواؤں کو یہاں کے مزاج کے موافق نہ پاکر میں نے ہندوستانی دواؤں کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے یہ کتاب میں نے لکھی۔ اس میں سنسکرت کی مختلف کتابوں سے مثلاً چرت، چرکہ، چنتامن، چکروت، ناکھت وغیرہ کی کتابوں سے دواؤں کے نام، خواص اور علاج وغیرہ اخذ کیا ہے، دواؤں اور بیماریوں کے نام ہندی میں بھی دیئے ہیں، سنہ ۹۰۸ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ یہ کتاب مطبع نول کشور لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے۔

ہندوستان کے صوبہ میں مالوہ بھی زرخیز اور مردم خیز خطہ تھا۔ وہاں بھی اچھے اچھے پنڈت، علماء اور صوفیا پیدا ہوتے، اجین ان کا مرکز تھا۔ اسلامی عہد میں شادی آباد کو رونق ہوئی اور اس جگہ بھی عالموں اور فاضلوں کا مغلیہ عہد تک مجمع رہا۔

اجین ہی میں ایک شخص نے صد النکار ایک کتاب لکھی۔ جو سنسکرت سے ماخوذ تھی، اس کے مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "کوول یانند" اور "بھاشا بھوشن" دونوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد میرے ذہن میں آیا کہ اس کو فارسی زبان کا جامہ پہناؤں۔ چنانچہ فارسی کے قالب میں سو النکار لکھ کر ہدیہ ناظرین کیے اس میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی میں ایک سو النکار کا اجمالی ذکر ہے (النکار اس فن کا نام ہے جس میں

---

[1] طب فرشتہ قلمی کتب خانہ ودیا سبھا احمد آباد

صنائع، بدائع، تشبیہ و استعارہ کا بیان ہو)

دوسرے میں اس کی تشریح ہے۔ تیسرے میں مخلوط اور مجموعۂ اشیا کا ذکر ہے۔ افسوس ہے کہ زیر تبصرہ کتاب ابتدا، وسط اور آخر سے ناقص ہے۔ اس نسخہ میں کل "۵۹" النکار ہیں۔ یعنی تیسری فصل بالکل نہیں ہے۔ مصنف نے کسی جگہ اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ اس فن کی کتابیں عربی میں بہت ہیں۔ لیکن مصنف نے اس بات کا خاص اہتمام رکھا ہے کہ ہر چیز کی مثال تمام تر فارسی اشعار سے ہے۔ اور پھر اس کی خود ہی تشریح بھی کرتا ہے۔

ہر عنوان کو حاشیہ پر سنسکرت میں تحریر کیا ہے۔ ایک دوسرا نسخہ بھولا ناتھ لائبریری سے ملا ہے لیکن وہ بھی ناقص ہے۔ اس لئے جب تک مکمل تیسرا نسخہ نہ مل جائے اس کی تکمیل مشکل ہے۔ فی الحال دونوں نسخے گجرات ودیا سبھا کے کتب خانے میں ہیں۔[1]

یوپی میں بدایوں ایک مردم خیز خطہ ہے، حضرت نظام الدین چشتیؒ اسی خاک پاک سے اٹھے اور مشہور مورخ عبد القادر بدایوں ہی کا باشندہ تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد علماء اور فضلا یہاں پیدا ہوئے، طوطی نامہ کے مؤلف بھی اسی جگہ کے رہنے والے تھے۔

آپ کا نام ضیاء الدین ہے۔ وطن آپ کا نخشب رجو ضلع بخارا میں ایک دلچسپ مقام تھا۔ عربی میں اس کو "نسف" کہتے تھے اور اسی لئے بعض علما کے نام کے ساتھ نسفی، کا لفظ ملتا ہے۔

جب تاتاریوں نے ساتویں صدی میں اس پر حملہ کیا تو ان کا خاندان وہاں سے ہندوستان چلا آیا تاتاریوں نے نصف میں اپنی چھاؤنی بنائی اور وہاں امیروں نے بکثرت محلات تعمیر کئے اور اس کا نام قرشی رکھا، تاتاری زبان میں اس کے معنی محل کے ہیں۔ اور یہ جگہ آج تک موجود ہے

مولانا ضیاء الدین کا خاندان ہندوستان میں اِدھر اُدھر گھومتا بدایوں میں آکر مقیم ہوگیا۔ مولانا نے شیخ محمد شہاب الدین مہرہ سے تعلیم کی تکمیل کی۔ شیخ فرید الدین ناگوری، بنیرہ شیخ حمید الدین ناگوری سے مرید ہوئے۔ عمر بھر درویشانہ زندگی بسر کی۔ باکمال شاعر تھے، ان کی متعدد تصنیفات تصوف وغیرہ

[1] صد النکار قلمی کتب خانہ ودیا سبھا گجرات احمد آباد۔

میں ہیں۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور سریانی زبان سے واقف تھے۔

مولانا نخشبی کی تصنیفات میں سب سے زیادہ شہرت طوطی نامہ کو ہوئی۔ یہ تقریباً ۵۵۰ ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ سب سے پہلے کسی دوسرے شخص نے فارسی میں کیا تھا، اس میں ۵۲ حکایات تھے، مگر اس کی عبارت شگفتہ نہ تھی، ایک دن ایک بزرگ نے ان سے فرمائش کی، کہ تم اس کو فارسی میں شگفتہ طریقہ سے منتقل کر ڈالو، انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور سنہ ۷۳۰ھ میں اس کو مکمل کر دیا یہ سلطان محمد تغلق کا عہد تھا۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان کا خاندان بلبن کے آخر عہد یا خلجیوں کے ابتدائی عہد یعنی ساتویں صدی کے آخر میں ہندوستان آیا۔

یہ کتاب دراصل سنسکرت زبان میں تھی۔ اس کا نام "کوکا سپتی" تھا، اس ترجمہ میں باون حکایات ہیں۔ اکبر نے اس کو سادہ بنانے کا حکم دیا، ابوالفضل نے طوطی نامہ کو بہت ہی سہل بنا دیا۔ پھر سترھویں (عیسوی) میں محمد قادری نے اس کا خلاصہ کیا، جو ۳۵ ابواب (یا حکایات) پر مشتمل ہے۔ یہ بہت مقبول ہوا۔ اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ ہندوستانی زبان میں سب سے پہلے غواصی نے فارسی سے ہندوستانی میں ترجمہ کیا۔ بنگالی میں "سی" منشی نے کیا، عبداللہ آفندی نے ترکی میں منتقل کیا، حمید لاہوری نے اس کو نظم کر ڈالا، ایران میں چہل طوطی کے نام سے جو افسانے لکھے گئے ہیں، اس کا مواد اسی سے حاصل کیا گیا۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں اس کی بارہ کہانیوں کا ترجمہ انگریزی میں ہوا۔ قادری کے خلاصہ کو سنہ ۱۸۲۲ء میں ایک جرمنی نے جرمن میں لکھا، سنہ ۱۸۸۲ء میں ترکی ترجمہ سے پھر جرمنی میں ترجمہ ہوا۔ اسی طرح یونانی میں بھی اس کو تحریر کیا گیا۔ لیکن ان ترجموں میں سے کوئی بھی مکمل کتاب کا ترجمہ نہیں ہے۔ صرف ایک روسی نے اس کا مکمل ترجمہ روسی زبان میں کیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس کا سنسکرت میں اصلی نام "شُک سپ تتی" ہے۔ اس میں کل ستر کہانیاں تھیں۔ یہ کس کی تصنیف ہے۔ درحقیقت اس کا پتہ نہیں۔ لیکن عام طور پر مشہور شاعر کالی داس کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن خواص اہل علم اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ کتاب بارھویں صدی سے

چودھویں صدی عیسوی کے درمیان کی تصنیف ہے، ایسا محققوں کا خیال ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایک کتاب سوم دیو نے سنسکرت میں "کتھا سرِ تیہ ساگر" نامی لکھی، اس کو دیکھ کر دوسروں نے بھی اس طرز پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ لیکن ان میں سے سب سے زیادہ مقبولیت طوطی نامہ کو ہوئی گجراتی میں بھی سامل نامی ایک شخص نے ترجمہ کیا اور اس کا نام "سوڈا بھوتری" رکھا۔ اس میں اس نے (بہتر) افسانے تحریر کئے ہیں۔ اصل افسانے میں ایک تاجر کا قصہ ہے۔ جو مختصر طور پر مندرجہ ذیل ہے۔

ایک تاجر کے پاس ایک طوطا بڑا دانا تھا۔ وہ جب تجارت کے لئے پردیس جانے لگا تو طوطے سے کہا کہ میری بیوی کی حفاظت کرتے رہنا۔ اس کے چلے جانے کے بعد کچھ دن جب گذر گئے، تو اس کی بیوی کی کسی سے آشنائی ہو گئی۔ اور اس نے رات کے وقت اُس سے ملنے کا ارادہ کیا اور طوطے سے صلاح لی۔ طوطا ہر شب ایک کہانی کہہ کر رات ختم کر دیتا، اس طرح سے اس نے اس کو روک رکھا۔ یہاں تک کہ اس کا شوہر تاجر واپس آگیا۔ اس کتاب سے اس عہد کا تمدن بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے اس کی شہرت زیادہ ہے۔[1]

بشن داس بھٹ دکن کا رہنے والا اور مہاپرش لوگوں میں سے تھا، اس کا ایک نوجوان چیلہ پورکھ نامی تھا، جس کو وہ اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ تصوف کی طرف اس کو مائل کرنے کی بہت کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ کیونکہ پورکھ کا دل قصہ کہانیوں کی کتابوں اور دوسرے لہو و لعب کی طرف زیادہ مائل تھا یہ دیکھ کر بھٹ نے قصہ کے پیرائے میں ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام "پربودھ چندرودے" رکھا۔ جس کے معنی طلوعِ قمر کے ہیں۔ گیارھویں صدی ۱۰۷۱ھ میں ایک صاحب سوامی بنوالی داس تھے، جن کا تخلص ولی تھا، فارسی کے ادیب اور تصوف کے ماہر۔

وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن دوستوں کی مجلس میں بیٹھا تھا، کہ اس کتاب کا ذکر آیا۔ دوستوں نے فارسی میں اس کتاب کے ترجمے کی فرمائش کی۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کو جو سنسکرت نظم میں تھی، فارسی کا جامہ پہنایا۔ کل کتاب چھ چمن پر تقسیم کی گئی ہے، چمن اول کا عنوان ہے، جہل اور صحبت

---

[1] کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد۔

اغیار کے باعث انسان صورت اصلی کو فراموش کر دیتا ہے۔

زیر تنقید کتاب ۱۱۰۹ھ کی مکتوبہ ہے، اور کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد میں موجود ہے مترجم نے اس فارسی ترجمہ کا نام "گلزار حال" رکھا ہے[1]

ایک کتاب "مجمع البحرین" ہے، جو "اُپ نِن کھت" کا ترجمہ ہے۔

یہ کتاب بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی ہے، مترجم کا نام شاہ سرمد ۱۱۳۶ھ، ہے، اور کاتب کا نام سندر رام ولد اننت رام ہے، ابتدا میں ہے، یعنی ترک لذات کردہ بیش بر ہمار فتہ پرسید، اور آخر میں ہے "وید انو کہ ہمہ ساعت می مرد تمام شد" خط فارسی، نستعلیق، اس میں مروجہ کتابوں کی طرح فصل اور باب نہیں ہے، مگر بطور فصل آخر میں تمام شد از اتھروں وید کا جملہ ہر مضمون کے ختم کے بعد آتا ہے۔ صفحات ۸۲ ہیں۔ یہ کتاب جناب قاضی نور الدین صاحب بھروچ کے کتب خانہ میں میری نظر سے گذری۔ یہ کتاب دارا شکوہ کے مجمع البحرین سے علاوہ کوئی کتاب ہے، اختلاف سنہ سے بھی اس کا یقین ہوتا ہے، مجھے افسوس ہے کہ قلت فرصت کے سبب سے اندرون کتاب کا مطالعہ نہ کر سکا[2]

مفتاح دانش نامی ایک کتاب جناب نواب صاحب بڑودہ کے کتب خانہ میں میری نظر سے گذری، یہ سنسکرت سے فارسی کی گئی ہے، اصل سنسکرت کتاب کا نام "نیت پردیپ کا" ہے۔ اس کے مترجم گوپال رائو منشی ہیں۔ فن سیاست میں یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے، نواب جمال الدین صاحب کے نام معنون ہے، ۱۲ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ کا یہ مخطوطہ ہے۔

اس وقت تک جو کچھ لکھا گیا بجز آخری فقرہ کے یہ سب عہد مغلیہ سے قبل کا ہے، اگر تتبع اور کوشش کی جائے تو اور بھی کتابوں کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کی اسلامی سلطنتوں میں مغلیہ کا زمانہ تراجم کے متعلق سب سے زیادہ ممتاز

---

[1] کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ [2] کتب خانہ قاضی نور الدین صاحب بھروچ قلمی [3] کتب خانہ نواب بڑودہ قلمی۔

نظر آتا ہے۔ اکبر اعظم ہند کا پہلا بادشاہ ہے، جس نے ایک وسیع پیمانہ پر باقاعدہ تراجم کا ایک ایسا محکمہ قائم کیا، جس میں مختلف فنون کی کتابوں کو مختلف طریقوں سے ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ بعض لوگوں کو ایک ایک کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے حکم دیا گیا، اور بعض کتابوں کے ترجمہ کے لئے متعدد آدمی مقرر کئے گئے، یعنی ضخیم کتاب کے مختلف حصے ایک ایک کو دئے گئے، اور آخر میں ان پر نظر ثانی کے لئے ایک اور شخص مقرر ہوا۔ بعض کتابوں کے کئی کئی ترجمے کرائے گئے، یعنی پہلا ترجمہ ناپسند ہوا تو کسی دوسرے شخص سے اس کا ترجمہ کرایا گیا، اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک کتاب کا ترجمہ پہلے سے مشہور تھا، لیکن اس کی عبارت مغلق اور مشکل تھی، اس کو دوبارہ سلیس اور سہل عبارت میں کرایا گیا، یہ زمانہ علمی حیثیت سے بڑا مبارک عہد تھا۔ اس محکمہ میں جن لوگوں سے کام لیا گیا، ان میں سے ممتاز لوگ مندرجہ ذیل تھے۔

فیضی، ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی، شیخ محمد سلطان، نقیب خاں، کشن پنڈت، کاشی ناتھ، سری بھٹ، دیوی برہمن، کشن جوتشی، گنگادھر، مہیش، مہانند[1]

ان میں سے فیضی نے جن کتابوں کا ترجمہ کیا، اس میں مثنوی نل دمن، مشہور کتاب ہے، اس کا اصلی نام "نی شدھ چرت" ہے، اس کا مصنف سری ہرش ہے، یہ بہت ہی قدیم کہانی ہے، اس کا ذکر مہابھارت میں "نل اپاکھیان" (نلوپاکھیان) کے نام سے آتا ہے، پھر پران میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ اس کا مصنف سری ہرش بنارس کے راجہ جے چندر کے دربار میں اپنے باپ، ہیر (ہیرا) کی جگہ کام کرتا تھا، جسے چندر کی فرمائش سے نل دمینتی (نل دمن) ئی تی، کے قصہ کو نظم کی لڑی میں پرو دیا۔

یہ بہت بڑا شاعر تھا، کالی داس، بھاروی، اور ماگھ، کے ہم رتبہ تسلیم کیا جاتا ہے، اس تصنیف کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ مذکور شعرا کی چیدہ تصنیفات، کمار سبھ دم، رگھو نشم، کراتار جونی یم، اور شسشوپال ودھم کے ساتھ، نی شدھ چرتم، کا اضافہ جب کیا جائے تو ان کو پنج کاویہ کہا جاتا ہے عربی کے سبعہ معلقہ کی طرح یہ پنج کاویہ (پانچ نظم اعظم) بھی سنسکرت زبان کی بہترین مستند نظم ہے جس کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ کیوں کہ اس میں صنائع بدائع کی ایسی بھرمار ہے، کہ دوسروں کے لئے تقلید تو کیا،

[1] مقالات شبلی جلد ششم صفحہ ۱۰۵ اعظم گڑھ۔

اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔

اکبرِ اعظم کے دربار کا مشہور ملک الشعرا "فیضی" تھا۔ بادشاہ کے حکم سے اس نے بڑی محنت کر کے اس کتاب کو فارسی نظم کے قالب میں ڈھالا، اس میں کل چار ہزار اشعار ہیں۔ ۳۹ جلوس بموافق ۱۰۰۳ھ کی تالیف ہے[1]

اس کتاب کے قصہ کا بہت ہی اختصار یہ ہے کہ،

ہندوستان کی سرحد پار ایک راجہ رہتا تھا، جس کا نام "نل" تھا۔ ایک دن اس نے ایک ہنس (بط) پکڑا، اس نے کہا کہ اگر تم مجھ کو چھوڑ دو، تو تمہاری شادی ایک بڑی خوبصورت لڑکی سے کرا دوں گا، اس نے چھوڑ دیا۔

ادھر ملک برار کے راجہ کی ایک بڑی خوب صورت لڑکی تھی، جس کا نام دمینتی تھا، اس نے عہد کیا کہ اپنے ہی جیسا خوب صورت سے شادی کروں گی، باوجود تلاش کے عرصہ تک اس کو کوئی نہ ملا۔ ایک دن ہنس گھومتا پھرتا اس کے باغ میں پہنچا، اور دمینتی سے نل کی بڑی تعریف کی۔ وہ راضی ہو گئی مگر مشکل یہ آپڑی کہ وہ ہندوستانی نہ تھا، آخر ترکیب یہ سوچی گئی کہ سویمبر میں ملکی اور غیر ملکی دونوں طلب کئے جائیں، چنانچہ نل بھی آیا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

نل ایک دفعہ جوئے میں سب ہار گیا اور رانی کو لے کر جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا۔ پھر اس کو خیال آیا کہ میرے ساتھ اس کو مفت تکلیف ہو رہی ہے، اس کو چھوڑ کر اگر چلا جاؤں تو یہ اپنے گھر جا کر آرام سے رہے گی۔ چنانچہ ایک شب اسے سوتا چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ رانی بھی اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں جا کر مقیم ہو گئی، اور نل کو تلاش کراتی رہی۔ لیکن وہ نہ ملا، آخر اس کو ایک تدبیر سوجھی، اس نے اعلان کیا کہ وہ اپنی شادی کے لئے سویمبر کرنا چاہتی ہے اور تاریخ اس قدر قریب کی دی کہ اتنا جلد وہاں پہنچنا مشکل تھا۔

اجودھیا کے راجہ کو بھی اس کی خبر ملی۔ وہ چاہتا تھا کہ سویمبر میں شرکت کرے مگر دوری حائل

---

[1] نل دمن قلمی کتب خانہ گجرات ودیا سبھا احمد آباد

تھی، آخر اس نے اپنے گاڑی بان سے اس کا ذکر کیا، اس نے وہاں وقت پر پہنچا دینے کا وعدہ کیا، یہ گاڑی بان اصل میں نل تھا، جس نے نوکری کر لی تھی، وہ گھوڑے کے فن کا بڑا ماہر تھا، چنانچہ جب وہ پہنچا اور دوسرا کوئی نہ پہنچ سکا تو دمینتی سمجھ گئی کہ اس قدر جلد نل کے سوا کوئی اس قدر تیز گھوڑا لا نہیں سکتا لیکن اس کا رنگ و روپ بدلا ہوا تھا، اس لئے اس کو شناخت کرنا مشکل تھا، دمینتی اس کی مختلف عادتوں سے واقف تھی، انھیں کے ذریعہ اس کی معرفت کر کے، اس سے خود نل ہونے کا اقرار کرایا۔ دیوتاؤں کی مہربانی سے وہ پھر اصلی رنگ و روپ پر آگیا اور پھر دونوں آرام سے رہنے لگ گئے۔

یہ مثنوی جس کا نام "نل دمن" رکھا، بہت مشہور ہوئی، اکبر نے اس کا ایک مصور اڈیشن بھی تیار کرایا۔[1]

سنسکرت کی ایک مشہور کتاب "سِنگھاسن بتیسی" ہے۔ اصل میں یہ سنسکرت کے دو لفظ سے مرکب ہے۔ ایک سینھ، جس کے معنی شیر کے ہیں۔ اور دوسرا آسن، جس کے معنی بیٹھنے کے ہیں۔ یعنی شیر کے بیٹھنے کی جگہ۔

راجہ بکرماجیت جس تخت پر جلوس کرتا تھا، اس کے سامنے کے دونوں سروں پر دو شیر بنے ہوئے تھے، اسی سبب سے اس کو "سینھ آسن" کہتے تھے، کثرت استعمال سے پھر "سنگھاسن" ہو گیا (یہ نام اسی طرح کا ہے جیسا کہ شاہجہاں کے زمانہ کا تخت طاؤس) اس تخت کے نیچے تیس پتلیاں تھیں جو گویا تخت کو اٹھائے ہوئے تھیں۔

جب راجہ بکرماجیت کا انتقال ہو گیا، تو اس قابلیت کا راجہ نہ ہونے کے سبب سے لوگوں نے اس تخت کو دفن کر دیا، راجہ بھوج کا جب عہد آیا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ایک دفعہ ایک مقدمہ میں راجہ نے غلط فیصلہ کیا، اس کا بڑا چرچا ہوا، ایک میدان میں چند لڑکے کھیلتے تھے، انہوں نے اس مقدمہ کا بھی کھیل کیا، اس میں سے ایک لڑکا ایک خاص مقام پر بیٹھا اور راجہ بن کر اس کا فیصلہ کیا، اس فیصلہ کا بھی بڑا چرچا ہوا، راجہ کو بھی معلوم ہوا، لڑکوں کو بلا کر فیصلہ سنا، لیکن تجربہ سے

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۳۲ لاہور۔

معلوم ہوا، کہ لڑکا جب میدان کے خاص مقام پر بیٹھ کر فیصلہ کرتا ہے، تو بہت عادلانہ ہوتا ہے، اس لئے راجہ کے حکم سے یہ مقام کھودا گیا، تو سنگھاسن نکلا، راجہ بھوج نے جب اس پر بیٹھنا چاہا تو پتلیوں نے کہا کہ اس پر وہی شخص بیٹھ سکتا ہے، جو بکرماجیت جیسی اہلیت رکھتا ہو، راجہ نے ان سے اس کا حال دریافت کیا، ایک ایک پتلی روزانہ اس کے اخلاقِ حمیدہ قصہ کے پیرائے میں بیان کرتی، اس طرح بتیس ۳۲ دن میں یہ قصے ختم ہوئے، پھر راجہ بھوج نے ان سب کا جواب دے کر مطمئن کر دیا، یہی تبیس کہانیاں ہیں جو سنگھاسن بتیسی کے نام سے مشہور ہے۔

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ متعدد اشخاص نے ایسی طرز کی کتابیں تصنیف کیں، لیکن اس کتاب کی طرح مقبولیت کا درجہ کسی کو نہ ملا۔ اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ بعض لوگوں نے کالی داس کا نام لیا ہے۔ مگر یہ بے پایہ بات ہے، اصل سنسکرت کے علاوہ مول گجراتی جدید گجراتی، پراکرت، اپ بھرنش، بنگالی، ہندی، انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اکبر بادشاہ کے عہد میں اس کا بھی ترجمہ کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ خواجہ حسین مروی نے فارسی میں نظم کرنا شروع کر دیا، مگر ۹۷۹ھ میں وفات پاجانے سے غالباً نامکمل رہ گیا، پھر ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کو ۹۸۲ھ میں نثر میں اس کا ترجمہ کر کے "خرد افزا" نام رکھا۔ یہ نام تاریخی ہے، کلکتہ سے انیسویں صدی عیسوی میں لوہے کے ٹائپ کے ذریعہ اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا۔

وید کا چوتھا حصہ جس کو اتھرین وید کہتے ہیں اشیخ بھاون ایک نومسلم برہمن نے ۹۸۳ھ میں ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ فیضی، اور حاجی ابراہیم سرہندی کی مدد سے فارسی میں ترجمہ کیا، اس کا ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے کتب خانہ میں موجود ہے، اسی طرح مہاراج سری کرشن کے حال میں ایک مشہور کتاب "ہری وونس" تھی، ملا شیری نے سنسکرت سے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا۔

اکبری دربار کے نورتن میں عبدالرحیم خان خانان کا پایہ بہت بلند تھا، یہ سپہ سالار شمشیر زنی میں جس طرح مشاق نظر آتا ہے، اسی طرح قلم کا بھی دھنی تھا، یہ سنسکرت، ہندی، فارسی اور ترکی کا ماہر تھا، اس کو نثر اور نظم دونوں پر قابو تھا، اس نے بابر کے "تزک" کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا، جو ترک بابری کے نام سے آج شائع

ہوگئی ہے۔ اس کی ہندی نظم تمام اہل ذوق بڑی دلچسپی سے آج بھی پڑھتے ہیں۔ اس نے جوتش کا بھی اچھا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ایک کتاب اس نے اس خوبی سے اس فن (جوتش) پر لکھی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، یہ کتاب نظم میں ہے، اس کا پہلا مصرعہ فارسی اور دوسرا سنسکرت میں ہوتا ہے، اس سے اس کی قابلیت کا اندازہ ناظرین کر سکتے ہیں، ۹۹۷ھ میں یہ نظم مکمل ہوئی۔[۱]

اسی عہد میں ایک عالم مکمل خاں تھے، ان کو عام طور پر علوم وفنون مروجہ سے کامل واقفیت تھی، مگر علم نجوم میں ان کو بڑی مہارت تھی؛ اکبری عہد میں گجرات سے پایہ تخت پہنچے، اور محکمہ تراجم میں شامل کر لئے گئے، سنسکرت کی مشہور کتاب "تاجک" نامی جو علم ہیئت میں تھی، اس کا ترجمہ ان کے سپرد ہوا جس کو انہوں نے انجام تک پہنچایا، باوجود گجراتی ہونے کے گجرات میں ان کو کوئی نہیں جانتا، البتہ ایسی کتاب کی بدولت آج تک کتابوں میں ان کا نام روشن ہے۔

وششٹھ اور رام چندر دو رشیوں کے درمیان دینی اور اخلاقی مسائل پر جو مکالمہ ہوا تھا، اس کو تحریر میں لا کر اس کا نام "جوگ وششٹھ" رکھا، ابوالفضل، ملا شاہ اور نقیب خاں نے مل کر فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، اسی طرح ابوالفضل نے کشن جوشی کا بھی ترجمہ فارسی میں کیا اور "مہیش مہانند" کو بھی ابوالفضل نے فارسی کا جامہ پہنایا۔[۲]

مہابھارت کا وہ حصہ جو بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہے، اس کا ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا تھا، چنانچہ ابوالفضل نے فارسی میں اس کا بھی ترجمہ کر ڈالا، لیکن ابھی حال میں منشی جگر ریش پرشاد ایم اے نے گوالیار کے مطبع سے بھگوت گیتا کا فارسی ترجمہ شائع کیا ہے، مترجم کا نام فیضی بتایا ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع پر کل ۱۰۴ صفحات ہیں، کل کتاب نظم میں ہے، اس میں اٹھارہ (۱۸) ادھیائے (فصلیں) ہیں۔ فصل اول کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔

طراز ندۂ داستاں کہن ÷ بدیں ساں بیفگند طرح سخن :: اور کتاب کا خاتمہ اس شعر پر ہے، ابکن سجدۂ شکر پروردگار ÷ کہ آمد ز دست توزیں گونہ کار۔ بہت ممکن ہے کہ اصل ترجمہ فیضی ہی کا ہو، جس کو غلطی سے لوگوں نے ابوالفضل کی طرف منسوب کر دیا۔

---

[۱] دربار اکبری، بیان اکبری عہد کی تصانیف، [۲] لٹریری ہسٹری بائی عبدالغنی ص۲۳۳ الہ آباد